© rasailojaraid.com

اسلام اور مغرب : مکالمے کی ضرورت

جوسی ڈافیس

"سیکولر حکومتیں اور اسلامی تحریکیں" کے عنوان سے ہفت روزہ المجتمع کویت اور واشنگٹن کے یونائیٹڈ انسٹی ٹیوٹ آف اسٹڈی اینڈ ریسرچ کے اشتراک سے ایک سیمینار میں امریکہ کے قومی سلامتی کے ادارے کی استاد، صحافی اور محقق جوسی ڈافیس نے حسب ذیل لیکچر دیا۔

میں گذشتہ تین سال سے مسلمان عورتوں اور ان کے بارے میں مغرب میں پائے جانے والی آرا پر کام کر رہی ہوں۔ اسلام کے بارے میں مغرب کی غلط فہمیوں کی حقیقت جاننے کے لیے میں نے کئی اسلامی ممالک کا دورہ کیا، اور وہاں کی دینی تحریکوں کے قائدین سے تبادلہ خیال کیا۔ میرے اس کام کی بنیاد مغرب کا وہ پروپیگنڈا بنی، جو مسلمان خواتین کے بارے میں غلط معلومات پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں، میں نے مسلمان خواتین سے بعض بڑے ہی ترش و تیز قسم کے سوالات پوچھے، مگر انھوں نے بڑے تحمل کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں جامع اور تسلی بخش جواب دیے۔

اسلام کے بارے میں امریکیوں کی لاعلمی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی مسلمانوں کی کمیٹی نے ایک سروے کیا، تو ۷۰ فی صد افراد نے کئی سوالوں کے جواب یہ کہہ کر نہیں دیے کہ "انھیں اسلام کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں"۔

میں امریکہ کے سیاسی لوگوں سے گفتگو کے دوران ان سوالات کو زیادہ اہمیت دیتی ہوں کہ کیا اسلامی تنظیموں اور سیکولر قوتوں میں جنگ ناگزیر ہے، کیا امریکہ اور مغرب، اسلامی تحریک کو دہشت گرد سمجھتے ہیں، اور کیا تمام اسلامی تحریکیں عسکریت پسند ہیں؟ پھر اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ گفتگو کے دوران بھی اس قسم کے سوالات زیر بحث آتے ہیں۔ ان ملاقاتوں میں درج ذیل کلیے سامنے آتے ہیں:

۱۔ اسلامی ممالک میں جمہوریت کی پیش قدمی اور ترقی کے نتیجے میں امریکہ کو زیادہ فائدہ ہے۔

۲۔ اسلامی تنظیمیں اس وقت تشدد پسندی کی راہ پر چل نکلتی ہیں، جب ان پر پرامن سیاسی ماحول میں کام کرنے کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر یہ قوت کے ذریعے حکومتیں جڑ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکھاڑنے کی کوشش کرتی ہیں۔ میرے نزدیک اس کی مثال مصر اور الجزائر ہیں، جہاں کی حکومتوں نے ان پر پُرامن سیاست کے تمام راستے بند کر دیے ہیں، تو پھر وہ تشدد پر مجبور ہوئی ہیں۔ اس کے برعکس اردن اور پاکستان میں، جہاں وہ سیاسی میدان میں اور فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں بدعنوانیوں سے اجتناب کرتی ہیں، اپنی شکست کو بھی کھلے دل سے تسلیم کرتی ہیں۔

ان اسلامی تحریکوں کے متعلق امریکہ کو اس بات کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ وہ اپنی حکومتوں کے خلاف کیوں برسرپیکار ہیں، ان کی حکومتوں کے ساتھ لڑائی کی وجہ بالعموم یہ ہوتی ہے کہ ان کے حکمران آمر (ڈکٹیٹر) ہوتے ہیں، حقیقی جمہوریت کو نہیں مانتے ہیں اور حکومت اور ملک و دولت کو اپنی جائیداد سمجھتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف عوام فاقوں سے مر رہے ہوتے ہیں اور حکومت عیاشیوں میں مشغول ہوتی ہے۔ اس صورت میں جب وہاں کے مسلمان کوئی جوابی کارروائی کرتے ہیں تو اس میں وہاں کی حکومت بھی برابر کی مجرم ہوتی ہے۔ میں یہ بات امریکی سیاست دانوں تک پہنچانا چاہتی ہوں کہ اسلام کو مغرب سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ یہ اسلامی تحریکیں اپنے اندر بڑے ذہین اور قابل افراد رکھتی ہیں جو حکومت کو صحیح طریقے پر چلانے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، غربت کا علاج کر سکتے ہیں، لیکن مغرب ان حقائق سے لاعلم ہے۔

اگر آپ راشد الغنوشی (تیونس کی اسلامی تحریک) کا تذکرہ مغرب کے ان لوگوں سے کریں جنھوں نے نہ اسے پڑھا ہے اور نہ سنا ہے، تو وہ کہیں گے کہ آپ غلط کہتے ہیں، وہ تو تشدد پسند ہے اور یہی اس کی دعوت کا مرکز و محور ہے۔ یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔ بے شک غنوشی لادین نظام کو اپنی آنکھوں سے ختم ہوتا دیکھنا چاہتا ہے، لیکن اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو قتل کرنے کے لیے، اپنے لوگوں کو سڑکوں پر لا رہے ہیں۔

اسی طرح میں امریکی ارباب اختیار کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی دلانا چاہتی ہوں کہ مسلمان بھی اس وقت عورت کے حقوق اور مسلمانوں کے ساتھ مغرب کے تعلقات کے موضوعات پر بڑے مطالعات کر رہے ہیں۔ میں نے انھیں یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ عورت کے حقوق کے لیے اسلامی تحریکیں بھی بھرپور آواز بلند کر رہی ہیں۔

میں مسلمانوں کے نام کے ساتھ "بنیاد پرستی" کی مغربی اصطلاح پسند نہیں کرتی کیونکہ اس کی وجہ سے لوگوں کے ذہن میں مسلمانوں کے متعلق غلط تصور آتا ہے اور یہ اسلامی تحریکوں کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔ بعض ایسی تنظیمیں ہیں جو حکومتوں کو گرانے کے لیے متشددانہ کارروائیاں کرتی ہیں، لیکن اکثر اسلامی تحریکیں اس رویے کی مخالف ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت ایک حقیقی اسلامی اور مثالی معاشرتی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ ان کی پرامن کوششوں کو طاقت کے بل پر کچل دینا بالکل غلط ہے جیسا کہ مصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور الجزائر میں ہو رہا ہے۔ الزبتھ نے اپنی کتاب ''اسلام اور انسانی حقوق'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ''الجزائر' تیونس' لیبیا اور دیگر اسلامی ممالک میں اسلام ہی بد ترین سول اور فوجی آمریت کی حکومتوں کا حقیقی سیاسی مخالف ہے''۔

اسلامی تحریکوں کے مطالعے سے میں اس حقیقت تک پہنچی ہوں کہ جو حکومتیں اسلامی تحریکوں کا قلع قمع کرنا چاہتی ہیں اور ان پر پابندیاں عائد کرتی ہیں' انھیں مسلسل سیاسی بدامنی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسلامی ممالک میں حقیقی ٹکر حکومتوں اور اسلام پسند لوگوں کے درمیان ہے' جو فحاشی و عریانی کے خلاف ہیں اور عوام کی اکثریت ان کا ساتھ دے گی۔ اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے امریکی ارباب اختیار کو چاہیے کہ وہ جمہوری روایات کی پاسداری کرتے ہوئے جمہوریت کا ساتھ دے کر آمریت کی مخالفت کریں۔ اسلامی تحریکوں سے انھیں جو موہوم خوف لاحق ہے' اسے اپنے ذہنوں سے نکال دیں کیونکہ ان ممالک میں جمہوریت' ان اسلامی تحریکوں کے ہاتھوں ہی آئے گی' جب وہ عنان اقتدار سنبھالیں گے۔

اسلامی تحریک کے سربراہوں نے ایک سے زیادہ دفعہ اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ امریکہ اور اسلام کو ایک دوسرے کا دشمن بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اور ہم امریکہ اور مغرب کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔ لیکن امریکہ اور مغرب کا امور خارجہ کا رویہ (خصوصاً اسلامی ممالک کے حوالے سے) جمہوریت کے اصولوں کے یکسر خلاف ہے' جس کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے مغرب نہیں تھکتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میرے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ''امریکہ کی خارجی سیاست کو اسلامی سیاست کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہیے؟''

اس سلسلے میں امریکہ کی خارجی سیاست کے لیے میری درج ذیل تجاویز ہیں:

۱۔ اسلام کے متعلق ہماری سیاست خیرو بھلائی پر مبنی ہونی چاہیے جس کا مقصد عام افراد تک نفع پہنچانا ہو' کیوں کہ کئی معاملات میں اسلام' مسیحیت اور یہودیت میں مشترکہ قدریں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ ہمیں کثیرالجماعتی جمہوری نظام کی حمایت کرنی چاہیے جو کہ جمہوریت کا اصلی مفہوم ہے اور اسے جمہوریت کے مغربی مفہوم تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ ہمیں مسلمان کی اہلیت و صلاحیت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ کامیابی کے ساتھ سیاسی نظام چلا سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ حکومت اسلامی بنیادوں پر ہی کیوں نہ قائم ہو۔

۴۔ ہمیں سیاست میں معتدل اسلامی تحریکوں اور متشدد تحریکوں کے درمیان فرق کرنا چاہیے اور بنیاد پرستی کی اصطلاح کو محض اسلام دشمنی کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں ان اسباب پر بھی نظر رکھنی چاہیے جن کے نتیجے میں یہ تحریکیں اس رویے کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتی ہیں' جیسا کہ الجزائر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں رونما ہوا کہ جب انھیں انتخابات جیتنے کے بعد حکومت کرنے سے بزور قوت روک دیا گیا تو انھوں نے تشدد کا راستہ اختیار کیا۔

۵۔ جمہوری حکومت کو بزور قوت گرانے کے لیے کی جانے والی تمام کوششوں کی ہمیں پر زور مخالفت کرنی چاہیے' چاہے وہ خلاف ورزی اسلامی حکومتوں کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ امریکی حکومت کو چاہیے کہ وہ تمام اعتدال پسند اسلامی تحریکوں اور ان تمام تحریکوں کے ساتھ' جو پر امن سیاست میں حصہ لیتی ہیں' اچھے روابط رکھیں تاکہ عوام کو ظالم حکومتوں سے نجات مل سکے۔

۷۔ امریکیوں کو عموماً اور خارجہ سیاست کے ذمہ داران کو خصوصاً اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اسلامی تحریکات سے متعارف ہوں' جو کہ ایسی قوت بن چکی ہیں' جنھیں نظرانداز کرنا اب ناممکن ہے' وہ تحریکیں امریکہ کے اندر ہیں یا امریکہ سے باہر۔

میں امریکی ارباب اختیار سے پوچھتی ہوں کہ وہ مشرق وسطیٰ میں اسلامی حکومتوں کے قیام کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ انھیں حکومت کرنے کا موقع ملنا چاہیے تاکہ وہ ہمیں بتائیں کہ دین کی اخلاقی تعلیمات کا معاشرے کی اصلاح میں کیا کردار ہے۔ اور یہ وہی چیز ہے جس کا مغربی معاشرے میں بڑا فقدان ہے۔ مغرب نے یہ بات اپنے ذہن میں کیوں راسخ کر لی ہے کہ اسلام پسند ان کے دشمن ہیں اور ان کی حکومت آنے کی صورت میں مغرب کو اپنے مفادات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

جوسی ڈافیس سے جب پوچھا گیا کہ مغرب میں عموماً اور امریکہ میں خصوصاً یہودی لابی گہرا اثر و رسوخ رکھتی ہے اور اسلام کے خلاف ہر جگہ زہریلا پروپیگنڈہ کر رہی ہے' جس کی تازہ مثال ڈاکٹر حسن ترابی کا وہ انٹرویو ہے جو انھوں نے واشنگٹن میں دیا' جس میں کہا کہ اسلام تو مغرب کا دشمن نہیں ہے۔ لیکن امریکی صحافت نے اس بیان کو بالکل بگاڑ کر بیان کیا اور کہا کہ یہ شخص تشدد پسندوں کا سربراہ ہے' امریکہ کا دشمن ہے اور یہ جھوٹ بولتا ہے کہ یہ امن کا خواہاں ہے' یہ تو جہاد کا داعی ہے۔

جواب میں مادام ڈافیس نے کہا کہ یہودیوں کے سارے طبقے تو اس طرح نہیں ہیں البتہ ایک بڑا گروہ ہر وقت اسرائیل کے مفادات کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ ان میں سے ایک گروہ اسلام کے صحیح مفہوم کو صحیح سمجھنے کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

(ترجمہ: عبدالواحد تلخیص و ترتیب: رشید احمد)

© rasailojaraid.com